www.neweramagazine.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیام

از سیدہ انعم بخاری

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔ ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

☆☆☆☆☆

وہ تمام لڑکیاں جن کی عمریں اتنی تو تھیں کہ سگھڑپن کی ڈگریاں اُنکے پاس ہوتیں لیکن اس وقت اپنے پھوہڑ ہونے کا اعلان چیخ چیخ کر کر رہی تھیں۔ باورچی خانے کی حالت کسی جنگ کے میدان کی سی تھی۔ شاید ہی کسی نے کبھی چولہا بھی جلا کر دیکھا ہو، اُنکے لیے کام کا مطلب ملازماؤں کی نگرانی کر اپنی من پسند چیز تیار کروالینا تھا۔ جہاں تک بات تھی حیام کی، اُسے کوکنگ کے نام پر محض دو طرح کا آملیٹ بنانا آتا تھا جس پر وہ فخر سے کہتی کہ ماشاءاللہ اتنا اچھا ناشتہ بنالیتی ہوں اور ہاں، چائے اور کافی کو کیسے بھول سکتے ہیں؟ وہاں سب باورچی خانے میں لائن سے کھڑی تھیں، کوئی اپنا ہاتھ سہلاتی پائی جاتی اور کوئی اپنا سر پکڑ کر کھڑی تھی۔ کسی نے گرم گرم آئل اپنے ہاتھ پر گرالیا تو کسی نے فرائنگ پین کیبنٹ سے نکالتے ہوئے اپنے سر پر گرالیا چونکہ وہ تمام ملازماؤں کو باورچی خانے سے نکال چکی تھیں۔ اب بچی تھیں حیام اور سعدیہ۔۔۔ نہ نہ سعدیہ محترمہ کو بھی کہاں کچھ آتا تھا، ایک روٹی تو ٹھیک سے بنانا آتی نہ تھی البتہ کام کرنے کا ڈھنگ ضرور آتا تھا۔ آخر کو اپنی ماں کے پیچھے وہی اپنے چھوٹے بھائی کو کھانا دیتی تھی۔

"اب ایسے کیوں کھڑی ہو سب کی سب، بیٹھ جاؤ۔"

اُبلے ہوئے آلوؤں کے چھلکے اُتارتے حیام نے تینوں کو ڈائننگ پر بیٹھنے کو کہا تو سب کی

سب فوراً کرسیاں دھکیلتی بیٹھ گئیں۔

"سعدیہ!! ان کو گول گول کاٹ دو جلدی۔"

حیام کے کھڑے ہوتے سعدیہ نے فوراً آلوؤں سے بھری پلیٹ اپنے سامنے کھسکائی اور کھڑے کھڑے ہی اُنہیں کاٹنے لگی جبکہ باقی تینوں بڑے دھیان سے حیام کو کام کرتے دیکھ رہی تھیں۔

حیام نے کٹی ہوئی پیاز کو گرم آئل میں ڈال کر فرائی کرنا شروع کیا۔ پیاز کے رنگ بدلتے ہی فوراً کٹی ہوئی ٹماٹر اور مصالحہ جات چھڑکنے لگی۔ مناہل اور کرن تو اُس سے خاصی متاثر دکھائی دیتی تھیں۔

"سیدہ بی بی! یہ لیں کاٹ دیئے آلو۔ اب کیا کروں؟"

حیام نے پین میں چمچ چلاتے ہوئے اُسے ہاتھ کے اشارے سے پلیٹ مانگی جو کہ اُسے فوراً تھما دی گئی۔ اب حیام تیار کیے ہوئے آمیزے میں آلو کے قتلے ڈال رہی تھی۔ پھر اُسے اچھے سے مکس کرنے کے بعد اُنہیں پورے فرائنگ پین میں پھیلا یا گیا۔

"سعدیہ! جلدی سے انڈے پھینٹ کر دو۔"

حیام کے ہر مرتبہ کی طرح کہنے پر اس مرتبہ بھی وہ کسی بوتل کے جن کی طرح حکم کی تکمیل کرنے لگی۔ چند منٹ گزرنے کے بعد حیام نے پھینٹے ہوئے انڈوں کو تیار کردہ آلوؤں کے آمیزے پر اچھے سے پھیلا دیا۔ چولہے کی آنچ ہلکی کر پین کو ڈھکن سے ڈھک دیا۔ مڑ کر چاروں کو دیکھا۔

"تم تینوں میں سے کس کو چائے بنانا آتی ہے؟ کرن۔۔؟؟"

سوال پوچھتے ہی کرن کو مخاطب کیا یوں جیسے کے پوچھنا چاہتی ہو ابھی کچھ دیر پہلے جو چائے پی تھی وہ خود بنائی گئی تھی یا۔۔۔

"ہاں، ہاں چائے بنانا آتی ہے۔"

کرن نے جھٹ سے جواب دیا۔

"تو پھر انتظار کیا کر رہی ہو؟ اُٹھو، جلدی سے بناؤ۔"

"سعدیہ! تم ٹوسٹ۔۔"

سعدیہ نے اُس کی بات خود ہی پوری کر دی۔

"ابھی کرتی ہوں سیدہ بی بی۔۔"

"مناہل! جاؤ فریج سے سوس نکال کر لاؤ۔"

جواباً وہ سر ہلاتی اُٹھ فریج کھول کر کھنگالنے لگی۔ حیام چل کر منال تک گئی۔ اُسکے جلے ہاتھ کو دیکھا اور باورچی خانے سے نکل گئی۔ تقریباً ایک منٹ کے بعد وہ واپس آئی تو اب بھی سب کو جیسے چھوڑ کر گئی تھی سب ویسے ہی تھیں، ہاں لیکن مناہل کرن کے ساتھ کھڑی چائے کو اُبلتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ سوس کی بوتل ڈائننگ ٹیبل پر پڑی تھی۔ حیام منال کے ساتھ رکھی کرسی دھکیل کر بیٹھی اور اُس کا ہاتھ جس پر تھوڑا سا جلے کا نشان جو کہ ابھی قدرے مدھم تھا، تھام کر ہاتھ میں موجود کریم کی ڈبیہ کھول کر اُس پر لگانے لگی۔

"رہنے دو۔۔۔"

منال نے منع کرنا چاہا لیکن سامنے بھی حیام تھی۔

"ابھی لگالو گی تو زخم جلدی بھر جائے گا اور نشان بھی چلا جائے گا۔"

"کیا فرق پڑتا ہے ان سب نشانات سے؟ اور یہ کریم بھی کیا کرے گی؟ زخم چھپا کر کیا کروں گی، حیام؟ کیا روح پر لگے زخم مندمل ہو سکتے ہیں؟"

حیام نے چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا۔اُسکی آنکھوں میں جھانکتی وہ چہرہ موڑ گئی۔کتنا درد تھا ان آنکھوں میں؟حیام کیسے نہ جان سکی تھی؟کیسے انجان رہی؟منال تو حیام کو دیکھ اُس کی تکلیفوں کا اندازہ لگا لیا کرتی تھی۔تو کیا حیام سچ میں دوستی نبھانے میں پیچھے رہ گئی تھی؟

حیام خاموشی سے اُٹھتی واپس چولہے تک گئی۔فرائنگ پین کا ڈھکن اُٹھا کر اندر موجود آملیٹ کو محارت سے چمچ کی مدد سے اُلٹایا اور واپس ڈھک دیا۔

"حیام!چائے تیار ہے۔"

کرن نے چائے کو ٹی پاٹ میں ڈالتے ہوئے آگاہ کیا۔

"اور ٹوسٹ بھی۔۔۔"

سعدیہ کے کہنے پر حیام نے اُسے دیکھا تو وہ ہلکے براؤن رنگ رنگے ٹوسٹ گہرے پاٹ میں رومال بچھا کر اُس میں ترتیب سے یوں رکھ رہی تھی جیسے کہ گرم گرم بریڈ بن کر تیار ہوئی ہو۔

"ہاں،ایک کام کرو۔۔۔جاؤ پچھلے برآمدے میں جا کر ٹیبل سیٹ کرو تم لوگ،میں

اور منال باقی سامان لے کر آتے ہیں۔"

کچھ دیر کے بعد پچھلے برآمدے میں رکھی میز پر سارا سامان سجا تھا۔اماں بیگم بھی وہیں تخت پوش پر بیٹھی تھیں۔ گرمیوں میں اماں بیگم کا بسیرا وہیں ہوتا چونکہ دوسرا برآمدہ کھلا تھا، سورج کی دھوپ سیدھی سر پر پڑتی تھی جبکہ یہ حصہ بند تھا، سر پر چھت اور ارد گرد سجے پودے اسے مزید ٹھنڈا کر دیتے۔ گرمی کا احساس تک نہ ہوتا۔

ٹیبل پر سپینش آملیٹ بنا پڑا تھا جو کہ دکھنے میں بالکل کسی پیزے کی طرح تھا۔حیام نے اُسے کاٹا بھی بالکل پیزہ کے سلائس کی طرح تھا۔ایک آملیٹ کا سلائس اپنی پلیٹ میں رکھ رومال میں سے ٹوسٹ نکالا۔ایک طرف چھوٹی پیالی رکھ اُس میں سوس نکالی اور چائے کا کپ بنا کر اماں بیگم کے سامنے جا کر رکھ دیا۔

"کھائیں۔۔۔"

"اسے لے جا، نجانے کیا بنا لائی ہے تو اور میں ناشتہ کر چکی ہوں۔تو جانے ہے ایس ویلے کہاں کھاتی ہوں۔"

"اب میں اتنے پیار سے بنا لائی ہوں تو کھانا پڑے گا۔"

حیام نے گھور کر دیکھا تو مجبور ہو کر کھانے لگیں۔ وہ سچ میں بہت مزے کا تھا۔ وہ سادہ کھانا کھانے کی عادی تھیں لیکن نت نئی چیزیں کھانے سے کیا فرق پڑتا تھا۔

حیام واپس جا کر کرسی پر بیٹھی، اپنے لیے بھی پلیٹ تیار کرنے لگی۔ باقی سب بھی ناشتہ کر رہیں تھیں، بس سعدیہ نہیں تھی۔ حیام کے اتنی مرتبہ بلانے پر بھی وہ نہ آئی تھی۔ حیام نے سب سے پہلے ایک پلیٹ تیار کر اُسے بھجوائی تھی۔ وہ اُس کے بغیر کیسے کھا سکتی تھی۔ آج یہ تو طے ہو گیا تھا کہ باہر دکھنے میں حویلی کی سیدزادیاں جتنی سلیقہ مند لگتیں تھیں، قریب سے اتنی پھوہڑ تھیں۔

سورج ڈھل چکا تھا۔ حیام اپنے کمرے میں بیڈ پر پاؤں زمین پر لٹکائے بیٹھی تھی جب سعدیہ دروازہ کھول اجازت مانگ اندر چلتی آئی۔

"ادھر آ کر بیٹھو۔۔۔"

حیام نے اُسے بیٹھنے کا کہا تو وہ چل حیام کے سامنے آ کر وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔ اُسکے یوں زمین پر بیٹھنے پر حیام فوراً کھڑی ہوئی اور اُسے دیکھ بولنے لگی۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟ زمین پر کس نے بیٹھنے کو کہا ہے؟ ادھر اوپر بیٹھو میرے برابر میں۔"

حیام کو معلوم تھا کہ حویلی کی تمام ملازمائیں یوں ہی کبھی کسی سید زادی کے برابر نہ بیٹھی تھیں۔ ملازمین تو دور کی بات، مراله کی کوئی عورت بھی کبھی اُنکے برابر نہ بیٹھی تھی۔

"مجھے بیٹھنے دیں، سیدہ بی بی۔"

اُسکی آنکھوں میں آنسو تھے۔ حیام نے جھک کر اُسکے ہاتھ تھام اُسے کھڑا کیا اور ایک طرف رکھی کرسی کھینچ کر اُسے بٹھایا۔ جب اُسکی تسلی ہو گئی کہ وہ اُسکے برابر نہ سہی لیکن زمین پر بھی نہیں تھی تو وہ واپس بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟ ایسا کیوں کر رہی ہو؟ مجھے گنہگار مت کرو۔"

حیام کی نظریں سعدیہ کے جھکے چہرے پر رینگتے آنسوؤں پر تھیں۔

"یقین کریں سیدہ بی بی! اگر سے میں کچھ عرصہ پہلے والی سعدیہ ہوتی تو دھڑلے سے آپ کے برابر میں بیٹھ جاتی لیکن اس حویلی نے جہاں آپکو بدلہ ہے وہاں میرے اندر کا بھی کچھ حصہ بدل گیا ہے۔"

حیام نے جواباً کچھ نہ بولا۔

"آپکو معلوم ہے جب آپ یہاں آئی تھیں، میں پہلی مرتبہ آپ سے ملی اور دیکھا کہ آپ اس حویلی سے، یہاں کے لوگوں سے کتنی نفرت کرتی ہیں تو میں جی ہی جی بڑا خوش ہوئی تھی۔ جانتی ہیں کیوں؟"

سعدیہ نے چہرہ اُٹھا کر حیام کو دیکھا جس نے محض نفی میں سر ہلایا۔

"ایک مرتبہ میں حویلی آئی تھی پہلے بھی بے بے کے ساتھ، تب بہت چھوٹی تھی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اپنی بے بے کو اماں بیگم کے قدموں میں بیٹھے دیکھا۔ میری بے بے نے اُنکے گھٹنوں کو تھام رکھا تھا۔ بس وہ ایک نظر ایک کم عمر، کچے ذہن کی لڑکی کی یادداشت میں بڑی پکی ہو گئی۔ اُس لمحے مجھے اماں بیگم سے حقارت محسوس ہوئی۔ وہ میری بے بے تھی، میرا کل جہان اور وہ کسی عورت کے قدموں میں بیٹھی تھی تو میرا جگر چھلنی ہوئے جاتا تھا۔ جوں جوں وہی کم عمر لڑکی بڑی ہوتی گئی، وہ نفرت پکی ہوتی گئی۔ پھر نجانے کیا سوچ کر اُس لڑکی نے حویلی آنے کا فیصلہ کیا اور آ گئی۔ اب دیکھیں مجھے، میں وہی ہوں نا اور آج میں خوشی خوشی اپنی بے بے کی جگہ بیٹھنے کو تیار ہوں۔"

"کیوں؟"

حیام نے سوال کیا۔

"کیونکہ آج جانی ہوں کہ اس مرالہ میں موجود ہر شخص کیوں اس حویلی کے لوگوں کے سامنے جھک جاتا ہے۔ یہ عزت ہے جو لوگ دل سے یہاں کے مکینوں کی کرتے ہیں، اس حویلی کے لوگوں کی پاکدامنی ہے جو مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں بھی بدل جاؤں اور پھر آپ نے ہی تو کہا تھا منال بی بی سے کہ سب نفرتیں بے بنیاد ہیں۔ میرا

بھی بغض بے بنیاد نکلا ہے، سیدہ بی بی! اور جانتی ہیں میری بے بے مجھے ہمیشہ کہا کرتیں کہ حویلی سے آئے کھانے پر دروازہ نہ بند کیا کر، اللہ کا رزق ہے۔ اُسکے رزق کی بے حرمتی کرو تو وہ لے لیتا ہے سب اور مجھے ہمیشہ یہ گمان رہتا کہ میں حویلی کے لوگوں کا جوٹھ کیوں کھاؤں؟ کیا دولت انسانوں میں اس قدر تفریق کر دیتی ہے؟ لیکن آج جب آپ نے اپنی پلیٹ بھرنے سے پہلے، اپنے منہ کا نوالہ خود سے چھین کر میرے حصے کی جھولی میں ڈال دیا تو معلوم ہوا ہے کہ میرا گمان صرف گمان ہی تھا۔ اور گمان تو ہوتے ہی ٹوٹنے کے لیے ہیں۔ اب دیکھیں میرے اس جھکے سر اور میری آنکھوں میں موجود شرمندگی کو، میں بہت گنہگار ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ آپ ایک دن اس حویلی کو سرتاپاؤں بدل دیں گی، آپ نے بدل دیا ہے۔ میں بے بے سے کہتی تھی کہ سیدہ بی بی خاص ہیں، وہ باقی سب کی طرح نہیں ہیں۔۔۔ اب میں بدل رہی ہوں تو مجھے بدلنے سے نہ روکیں۔ میں اس لیے نہیں آپکی برابری میں نہیں بیٹھنا چاہتی کہ حویلی کے اصولوں سے ڈر گئی ہوں، اس لیے نہیں بیٹھنا چاہتی کہ کوئی اصول ہیں ہی نہیں۔ اس حویلی میں عزت ہے جس کا بیج میرے دل میں بو کر اُس کا تنا یوں مضبوط ہو کر نشوونما پا گیا ہے کہ اُس کا بوجھ مجھے جھکنے پر مجبور کر رہا ہے۔ مجھے جھکنے سے مت روکیں۔"

اب کے حیام کے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

"لیکن سب لوگ خدا کی نظر میں برابر ہیں سعدیہ، تمہیں خود کے سامنے جھکنے کی اجازت دے دوں گی تو میرا غرور، میرا فخر جھک جائے گا۔اماں ٹھیک کہتی تھیں کہ میری ماں، میرے بابا نے میری پرورش اچھی نہیں کی، اُنہوں نے مجھے سیدزادی بننا نہیں سیکھایا۔ خیر آج مجھے لگتا ہے کہ اُنہوں نے مجھے ایک مکمل عورت بننا بھی کہاں سیکھایا ہے؟ ہاں، لیکن مجھے انسانیت ضرور سیکھائی ہے۔اب اگر انسانیت کی ڈور بھی چھوڑ دوں گی تو میرے ماں بابا بالکل فیل ہو جائیں گے۔ مجھ پر یہ ظلم مت کرو۔۔"

"انسانیت کہتی ہے کہ میں آپکے قدموں میں نہ بیٹھوں تو نہیں بیٹھوں گی لیکن دیکھیں آج جہاں میں بیٹھی ہوں، اس سے اونچا کوئی مقام ہے بھی تو بھی مجھے وہاں نہ بٹھایئے گا۔مجھے اپنے برابر مت آنے دیجئے گا۔"

حیام نے چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا اور بولی۔

"فلحال تو میں تم سے بھی کہیں نیچے، پستی میں ہوں۔مجھے خود کو تلاشنے دو پھر فیصلہ کریں گے کہ خدا کی عدالت میں کون کس کے برابر میں بیٹھے گا اور یقین کرو کہ میں سیدزادی ہو کر بھی ہار جاؤں گی۔اُس کی عدالت میں سب برابر ہو جائیں گے، چاہے سے کوئی بھی زات نکلتی ہو اور یہ میرا وعدہ ہے کہ بیشک اس حویلی کے ملازم عزت میں سر جھکا کر رکھیں لیکن ایک دن وہ جھکے ہوئے سر میں بھی ہم سب کے برابر میں بیٹھیں گے۔"

حیام وہاں سے اُٹھ کر باتھ روم کی جانب چل دی جب رُک کر ایک مرتبہ پھر سعدیہ کو پکارا۔

"تمہیں یہ کیوں لگتا ہے کہ میں یہ حویلی بدل دوں گی؟"

اُس کے سوال پر سعدیہ مسکرا کر کھڑی ہوئی، آنسو پونچھتی چل کر حیام کے قریب آئی۔

"دھیان سے دیکھیں، اس حویلی کے لوگوں کے دل آپ نے بدل دیئے ہیں تو کیا آپ کے لیے مشکل ہے کہ یہ حویلی بدل جائے؟"

وہ کمرے سے جا چکی تھی جبکہ حیام وہیں اپنی جگہ پر جم گئی۔

اماں بیگم کی بارات لوٹانے کے بعد ماحول میں بے چینی سی تھی، یوں تو پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ کسی سید زادی کی یوں تذلیل ہوتی۔ لیکن فیصلہ بھی اُسی وقت کر دیا گیا تھا۔ اماں بیگم کے والد کی سرپرستی میں ایک سید زادہ تھا، محمد افضل جو عرصے سے اُنکے ساتھ اُن کے کام دیکھتا، اُن سے سیکھتا، اُنکی بہت عزت کرتا۔ اُسکے ماں باپ نہ تھے سو اُنہوں نے بھی اُسے اپنے بیٹے کی طرح پالا۔ ایک وہی تھا جو اُنکی عزت ڈھانپ سکتا تھا۔ وہ رتبے میں کہیں بھی اماں بیگم کے برابر نہ تھا لیکن وہ سادات تھا اس سے بڑھ کر کیا دولت

چاہیے تھی اُنہیں؟اُنکے ایک کہنے پر اُس کل کے لڑکے نے سر جھکا لیا تھا۔اگلے چند گھنٹوں میں اماں بیگم اُس افضل نامی سید زادے کے نکاح میں تھیں۔

یہ حویلی جہاں سب رہتے تھے، یہ ورثے میں ہی تو اماں کو ملی تھی۔جب تک وہ سہاگن رہیں کبھی اپنے شوہر کو اُسکی غربت،اور اپنے رتبے کا طعنہ تک نہ دیا۔اماں بیگم نے جیسے اپنی پرورش کا مان رکھا تھا،اپنا رشتہ نبھایا تھا، جس محبت کے ساتھ اپنے ہمسفر کے ہمراہ زندگی گزاری، پورا خاندان اُن پر رشک کرتا۔۔

لیکن زندگی میں جہاں انسان خوشیاں جیتا ہے،وہیں غم بھی تو جھیلتا ہے۔اماں بیگم نے بھی زندگی میں بہت کچھ دیکھا، بہت کچھ سہا۔شادی کے کچھ عرصہ بعد اپنے ماں باپ کھو دیئے اور پھر اپنا شوہر۔۔۔لیکن زندگی تو چلتے رہنے کا نام ہے۔اپنی اولاد کو سینے سے لگائے جیتی رہیں۔وقت نے اُنہیں سخت اور کڑوا بنا دیا لیکن اُنکا اندر ابھی بھی کسی روئی کے گالے کی طرح نرم تھا،بس کسی اپنے کی توجہ کا پیاسا۔اولاد جوان ہو گئی، یہ کوئی اُن سے پوچھتا کہ اکیلی عورت اور وہ بھی سید زادی اس معاشرے میں کیسے اولاد کی سرپرستی کرتی ہے،اُنہیں کیسے پالتی ہے؟شوہر کی وفات کے بعد اماں بیگم اپنے بچوں کو لیے حویلی میں آ گئیں،وہی حویلی جہاں اُن کا بچپن گزرا تھا۔

اولاد کی زمہ داریوں سے بھی جان بخشی کی لیکن کہیں نا کہیں غلط فیصلے انسانوں سے ہو جایا کرتے ہیں۔ایک غلطی اماں بیگم سے اپنی بیٹی کے معاملے میں ہو گئی۔خاندان میں کسی شادی پر جانا ہوا تھا وہیں اُن کے ننھیال میں ہی کسی دور پڑے کے جاننے والوں میں سے کسی لڑکے کا دل حاجرہ پر آگیا اور عورت ذات جو شروع سے ہی کم عقل، نجانے کب، کیسے، کیوں وہ بھی اُس کی نظروں کے سامنے موم ہو گئیں۔وہ حاجرہ کو خط لکھنے لگا جو حویلی میں اُن کی خاص ملازمہ کے ہاتھ اُن تک پہنچتے۔اُنہوں نے کبھی پلٹ کر کسی خط کا جواب تک نہ دیا لیکن مرد کی محبت بھری دو باتیں عورت کو ہرانے کے لیے کافی ہوتی ہیں۔وہ کب اُس خاموش محبت کے سفر میں بہت آگے نکل گئیں، اُنہیں معلوم ہی نہ ہوا۔قیامت تو تب نازل ہوئی جب ایک دن اُن کے لیے لکھا گیا خط اماں بیگم کے ہاتھ لگ گیا۔اپنے بیٹوں کو اس سب معاملے سے انجان رکھا کہ کہیں کل کو نازل ہونے والا عذاب آج ہی نہ آجائے لیکن حقیقت کہاں چھپتی ہے؟اُن کے بیٹوں کو سب کچھ معلوم ہو گیا لیکن حیرت اس بات کی تھی کہ کوئی عذاب نازل نہیں ہوا تھا۔ وقار شاہ جو اپنی تہذیب کو لے کر سخت مزاج تھے، اپنی بہن کی محبت کے آگے ہارے ہوئے جواری کی مانند سر جھکائے اپنی ماں کے آگے بیٹھے تھے۔

بات صرف حویلی کی چار دیواری میں قید تھی تو اُسے قید ہی رہنا چاہیے تھا۔ جو کچھ اُس حویلی میں ہو چکا تھا اُس سب کے بعد حویلی کے دروازے بند کر دیئے گئے، ہر عورت کے لیے۔ معاشرہ اس سے پہلے اُس حویلی میں موجود سید زادیوں کی کردار کشی کرتا، یہی بہتر تھا کہ اُن کو معاشرے کے شر سے محفوظ کر لیا جاتا، اُس کا سایہ بھی اُن پر نہ پڑنے دیا جاتا۔

محبت کوئی گناہ تو نہ تھا، پسند کرنا کوئی گناہ نہیں تھا لیکن جس لڑکی کے سر پر باپ کا سایہ نہ ہو کہ وہ وقت آنے پر اپنی بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھے بتا تجھے آیا ہوا رشتہ پسند ہے کہ نہیں؟ تیری مرضی ہے یا نہیں؟ کوئی اور پسند ہے یا نہیں؟ تو وہ گناہ ہی ہوتا ہے۔ جب لڑکی کی پرورش اکیلی ماں نے کی ہو تو وہ گناہ ہی ہوتا ہے، ہوتا ہے نا؟ لیکن اماں بیگم تو سمجھتی تھیں چاہے سے جاہل معاشرہ سمجھتا یا نہیں، وہ جانتیں تھیں کہ پسند نہ پسند کا اُن کی بیٹی کو حق تھا۔ اور دیکھا جاتا تو حاجرہ نے کوئی غلط راستے کا انتخاب نہ کیا تھا، نہ تو وہ چھپ چھپ کر اُس لڑکے سے ملیں تھیں نہ ہی محبت کے دعوے کیے تھے۔

صلح مشورہ کر لینے کے بعد اُس لڑکے کو بلاوہ بجھوایا گیا، بیٹھ کر بات کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ بھی سید زادہ ہی تھا، لیکن اماں بیگم خود اُس کے خاندان کو نہ جانتیں تھیں۔ اُس کا

خاندان کسی دوسرے گاؤں بستا تھا۔اپنے ماں باپ سے کچھ رنجشیں تھیں کہ وہ اُن کو لے کر نہ آسکتا تھا۔چاہے سے وہ لڑکا ان کی بیٹی سے سچی محبت کرتا تھا لیکن کچھ اصول تھے جنہیں پورا کرنا فرض تھا۔وہ فرائض تھے اُن کے اپنی بیٹی کو لے کر لیکن اُن فرائض میں اُن سے کوتاہی ہو گئی۔

کرنا تو یہ چاہیے تھا کہ اُس لڑکے،اُس کے خاندان کو جانچا جاتا،کہنے کو تو پہلی مرتبہ یوں تھا کہ کوئی سید زادی برادری سے باہر جا رہی تھی لیکن بیٹی کی محبت کہ دو بول نکاح کے پڑھوا کر رخصت کر دیا گیا۔کہتے ہیں کہ جب مقدر کی دھول چہرے پر پڑنی ہی ہو تو انسان اندھا ہو جاتا ہے،اس حویلی کے لوگوں کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔رخصتی کے دو ہفتوں بعد ہی حاجرہ واپس حویلی میں آگئی،ایک سہاگن کے روپ میں نہیں بلکہ ایک بیوہ بن کر۔جب پانی سر کے اوپر سے گزر گیا تو معلوم ہوا کہ وہ لڑکا چاہے سے اچھا، خاندانی،نیک کیوں نہ تھا،اُس کی اپنی ماں باپ سے رنجشیں وقتی نہ تھیں،بہت مہنگی پڑ گئیں۔کہنے کو زمین جائیداد کے جھگڑے تھے دو خاندانوں کے مابین،اُس لڑکے کے گھر والے اپنا حصہ چھوڑنے کو تیار نہ تھے جبکہ وہ چاہتا تھا کہ سب کچھ چھوڑ دیا جائے۔یہ جھگڑے نسلیں اُجاڑ دیتے ہیں لیکن کوئی نہ سمجھا،کوئی نہ مانا۔۔۔

اور وہی ہوا تھا، جائیدادی جھگڑوں نے نسل کے ساتھ ساتھ زندگیاں بھی اُجاڑ دیں۔ وہ وقت تھا اور اب یہ وقت تھا کہ حاجرہ یعنی کہ حویلی اور مرالہ کی باجی بیگم نے خود کو کمرے میں قید کر لیا تھا۔ اب اُن کی زندگی محض اپنے خدا سے معافی، بخشش کی طلب گزاری میں گزرنی تھی۔ اُنہوں نے خود کو دنیا سے الگ کر لیا تھا۔

جب انسان خود سے حالتِ جنگ میں ہو، ہر جانب سے اُس پر وار کیے جا رہے ہوں، زخموں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہو تو کہیں نا کہیں جلد بازی میں انسان اپنے ماضی میں کیے غلط فیصلوں کے باوجود پھر سے غلطیاں دہرا جاتا ہے۔ اماں بیگم نے اپنی زندگی میں رشتوں کی ڈور الجھ کر سُلجھتے بھی دیکھی تھی اور معاشرے کے خلاف جا کر ایک سید زادی، نہیں بلکہ ایک عورت کو محبت کی اجازت بھی دے کر دیکھی تھی لیکن اُن کے ہاتھ دونوں صورتوں میں خالی رہ گئے۔ اب وقت تھا کہ الجھی ہوئی کچھ ڈوریں جو باقی تھیں، اُنہیں مضبوط گرفت میں لے کھینچ لیا جاتا، اُن کی الجھنیں خود سُلجھائی جاتیں۔

حویلی میں بسنے والوں کے دلوں میں خوف پروان چڑھ رہا تھا۔ اُنہیں حویلی کے

دروازے بند کر دینے سے کچھ نہ ملا تھا، اُنہیں اب دلوں کے دروازے بند کرنا تھے اس سے پہلے کہ ہتھیلی میں موجود خاک چُھٹتی چلی جاتی۔

منال کی عمر ابھی شادی کے قابل کہاں تھی؟ لیکن اُس کی زندگی کے فیصلے وقت سے بہت پہلے کر لیے گئے۔ اُس کی بات پکی کر دی گئی اور کچھ ہفتوں، یا نہیں شاید دنوں کے بعد رخصتی بھی کر دی گئی۔ اب کے رشتہ بھروسے مند تھا، لڑکا وقار شاہ کا خاص تھا لیکن شاید قسمت کو کچھ اور منظور تھا۔ بعض اوقات انسان کو اپنوں کی بھی تفتیش کر لینی چاہیے، نجانے اُن اپنوں کے کتنے چہرے ہوں۔۔۔۔

وہ لڑکا انسان نہیں تھا، درندہ تھا۔ نجانے کیسے اتنے سال انسان ہونے کا ڈھونگ رچاتا رہا۔ اُس کا تن من تو انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔ وہ اُسی خاندان کا تھا جن کو اماں بیگم کے لیے لوٹایا گیا تھا۔ نجانے کہاں سے اُن کے خاندان میں کوئی شاہ بن کر اُٹھ آیا تھا؟ نجانے وہ کس کا بیٹا تھا؟ لیکن وہ اُسی بے عزتی کا بدلہ لینے آیا تھا اور بدلہ بھی کیا خوب لیا، حویلی کی سب سے حساس لڑکی اُس کی زد میں آ گئی۔ کیا کچھ نہ سہا اُس نے؟ منال اُس اذیت ناک رشتے میں محض ایک سال قید رہی لیکن وہ ایک سال اُس کے لیے سو صدیاں تھیں۔ کیا کچھ نہ سہا اُس نے اُس جاہل انسان کے ہاتھوں؟ کبھی اپنی عزتِ

نفس پر چوٹ، تو کبھی اُس انسان کی مار۔۔۔۔وہ مرد درندے ہی ہوتے ہیں جو عورتوں پر ہاتھ اُٹھاتے ہیں۔وہ انسان سید زادہ کہلانے کے بھی لائق نہ تھا۔

یہ سادات کب سے اپنی نسلوں کو انتقام اور نفرت کی گھٹی دینے لگ گئے تھے؟ سادات بدل رہے تھے، وہ بھی دنیا جیسے ہوتے جا رہے تھے۔اُنہیں دنیا جیسا نہ ہونا تھا۔اگر پھر پوری دنیا میں اکیلی اماں بیگم نے آگے بڑھ کر اپنا رتبہ اپنے اصول بنا کر محفوظ کرنا چاہا تو کیا غلط تھا؟ جوں جوں دنیا میں جہالت بڑھتی جا رہی تھی، سادات کی عزت کرنے والے کم پڑتے جا رہے تھے۔دنیا اب کبھی مردوں کے ہاتھ جا لگتی تو کبھی عورتیں اُسے اُن سے چھین اپنی انگلیوں پر نچانے لگتیں لیکن سید زادیوں کو یہ نہیں سیکھنا تھا۔اُنہیں مردوں سے دو قدم پیچھے ہی چلنا تھا۔

منال۔۔۔۔آہ! منال، اُس نے لوگوں کی زبان سے چلنے والے نشتر بھی سہے اور کبھی اپنے کم ظرف شوہر کے تھپڑ۔۔۔اُس کی صحت گھٹتی گئی اور بدن تیلی کی طرح سوکھتا گیا۔وہ ماں بننے والی تھی تو بھی اُس کے چہرے پر وہ خوشی نہ تھی جو ایک عورت کے چہرے پر ہونی چاہیے۔اُس کا جسم زخموں سے بھرا پڑا تھا۔وہ لوگ اُس کے زخم بھرنے ہی نہ دیتے تھے۔

وہ عرصہ حویلی والوں کے لیے بڑا سکون دہ تھا۔اُنکے لیے انکی بیٹی خوش حال تھی لیکن وہ تو مر رہی تھی۔ہاں،اُسکی سانسیں اٹک رہیں تھیں۔اُس نے خود کو ایک رات پھر مار کھاتے دیکھا۔اُسکی نظر دھندلا رہی تھی۔اُسکے بدن میں ٹھیسیں اُٹھنے لگیں۔درد بڑھ رہا تھا۔

ہر طرف تاریکی تھی۔بڑی مشکل سے آنکھوں کی جھالر کھلی تو تیز روشنی نے اُس کا استقبال کیا۔وہ اُٹھنا چاہتی تھی لیکن اُس کے بدن کا درد۔۔۔اُسے سب یاد آنے لگا۔ اُس کے آنسو شدت سے بہنے لگے۔وہ چیخ و پکار کر رہی تھی۔اُس کی سسکیاں در و دیوار ہلا رہیں تھیں۔وہ ہاسپٹل میں موجود تھی۔اُس کے رونے میں موجود اذیت اُس کے کمرے میں موجود اُس کے بھائی،شاہ میر بخاری کے لیے موت کا سا فرمان تھا۔وہ خود کو اُس بستر پر پڑی لڑکی کا بھائی کہتا تھا تو کیسے وہ اپنی بہن سے غافل رہا؟ نجانے کس نے اُسے فون کر کے وہاں بلایا تھا۔منال کے ہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی تھی لیکن اُس کی اولاد اُس سے چھین لی گئی تھی،سب رابطے توڑ دیئے گئے تھے محض ایک طلاق نامہ اُس کا منتظر تھا۔

جہاں اُسے لگا کہ اذیتوں سے بھرا وہ ایک سال ختم ہوا،اب یہ بدن کی درد رفتہ رفتہ ماند

پڑتی جائے گی وہیں اُس پر بڑی بے دردی سے وار کیا گیا تھا۔اُسے جسم کی آزادی تو مل گئی تھی لیکن اُس کی روح چھین لی گئی تھی۔وہ دن تھا کہ وہ لڑکی کٹھور ہو گئی،نہ صرف حویلی والوں کے لیے بلکہ خود کے لیے بھی۔

وہ چاروں اس وقت حیام کے کمرے میں کھلے گلاس ڈور کے سامنے زمین پر بیٹھی تھیں۔باہر چلتی ہوا اُنہیں سکون بخش رہی تھی لیکن اُن کے اندر جو آگ اُبال کھا رہی تھی وہ اُنہیں سکون کہاں لینے دیتی تھی؟اُن چاروں کی آنکھیں نم تھیں۔منال نے آج پہلی اور آخری مرتبہ اپنے زخم اپنے ہی ہاتھوں سے کریدے تھے۔حیام نے آگے بڑھ کر اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔اُس کے ساتھ لگتے ہی منال کی ہچکیاں بندھ گئیں،وہ آج اتنے سالوں بعد ماضی میں ہو کر آئی تھی۔حیام نے اُس کا چہرہ اپنے سامنے کر اُس کے آنسو پونچھے۔

"تم نے آج مجھ سے پوچھا تھا نا کہ جسم پر لگے نشانات مندمل ہونے سے روح کے زخم بھر جاتے ہیں کہ نہیں؟"

حیام کے پوچھنے پر منال نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں خدا سے دور تھی،تم تو نہیں تھی نا؟پھر تم کیسے نہ دیکھ سکی؟شاہ ویر،وہ تمہاری دوا

ہے۔ کیا اُسے دیکھ کر تمہیں نہیں لگتا کہ تم بالکل ٹھیک ہو؟ تمہیں کسی سہارے کی ضرورت نہیں؟"

منال نے ایک مرتبہ پھر اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر اتنی بے یقینی؟"

حیام کے سوال پر وہ بول پڑی۔

"میں بے یقینی کے نہیں بلکہ خوف کے سمندر میں گھری ہوں۔ میرے بیٹے کی رگوں میں اُس درندے کا خون گردش کرتا ہے۔ اگر وہ بھی اُس جیسا۔۔۔"

کرن نے اُس کی بات کاٹی۔

"اللہ نہ کرے۔۔۔"

منال نے اُسے چہرہ موڑ کر دیکھا۔

"وہ کیوں ہو گا اُس جانور جیسا؟ ادھر دیکھو منال۔۔۔"

منال اب حیام کو تک رہی تھی۔

"شاید کہ اُس درندے کی پرورش میں کوئی کوتاہی رہی ہو، اُسکے لیے ایک ماں کم پڑ گئی ہو گی لیکن شاہ ویر۔۔ اُسکے پاس تم ہو، تم سے اچھی اور مکمل ماں اُسے کہاں ملے گی؟

اُسکے پاس کرن ہے، اُسکی سگی خالہ اور خالہ بھی تو ماں ہوتی ہے؟ یہ کرے گی تمہارے ساتھ مل کر اُسکی پرورش اور مناہل۔۔۔ یہ چھوٹی ضرور ہے لیکن اسکا دل شاہ ویر کے لیے یونہی دھڑکتا ہے جیسے کہ تمہارا یا کرن کا۔ خون کے رشتوں میں عمر کہاں معنی رکھتی ہے؟ رویے معنی رکھتے ہیں اور شاہ میر بھائی!!! دیکھنا وہ اسکے اتنے لاڈ اُٹھائیں گے کہ تم تنگ پڑ جاؤ گی لیکن وہ اسے بگڑنے نہیں دیں گے۔ اسے انسان بننا سیکھائیں گے اور اس حویلی کے بڑے۔۔" حیام ہنس دی۔ "وہ تو اسکے سامنے ڈھال بن کر کھڑے ہو جائیں گے۔"

"اور آپ؟ آپ کیا کریں گی اس کے لیے؟"

مناہل نے سوالوں کا رُخ اُس کی جانب موڑ دیا تو حیام ہنس دی۔

"دیکھا، ابھی کہہ رہی تھی نا میں کہ یہ چھوٹی دکھتی ضرور ہے لیکن ہے نہیں۔"

حیام کہہ کر اُٹھ گئی تو منال نے اُس کا ہاتھ کھینچ کر اُسے واپس اپنے سامنے بٹھایا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہے وہ، تم کیا کرو گی شاہ ویر کے لیے؟"

حیام کتنی ہی دیر اُس کی آنکھوں میں جھانکتی رہی۔ آنسو کا ایک قطرہ اُس کی پلکوں سے ہو کر چہرے پر پھسلتا چلا گیا، حیام نے نگاہیں پھیر لیں۔

"میں کیا کروں گی کچھ کر کے؟ اُسکے لیے اُسکے اپنے ہیں نا؟ میں اُسکی کچھ بھی نہیں

لگتی۔ میرا شاہ ویر سے بس اتنا تعلق ہے کہ میں نے اُسکا نام رکھا ہے بس۔"

"تم کتنی کٹھور ہو حیام؟ تم نے میری بہن کی زندگی میں مجھ سے بھی اہم جگہ لے لی ہے اور کہتی ہو کہ اُسکے بیٹے کی کچھ نہیں لگتی۔ آج اگر منال کو کسی اپنے کی ضرورت ہو تو وہ آنکھیں بند کر کے میرا نام بھول جائے گی، اپنی سگی بہن کا اور جھٹ سے تمہارا نام اُسکے لبوں سے آزاد ہو جائے گا۔"

حیام کے آنسوؤں میں اضافہ ہوتا گیا۔

"تم، حیام! تم میری محبت کی یوں تذلیل تو مت کرو۔"

منال نے اپنے ہاتھوں میں قید حیام کا ہاتھ چھوڑ دیا تو حیام نے تڑپ کر اُس کے ہاتھ پھر تھامے۔

"تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔ میں خالی ہاتھ ہوں، میرا دل، سب کچھ خالی ہے۔ میں کیا دے سکوں گی؟ تم اُسے میرے سائے سے بھی محفوظ رکھنا منال۔۔۔"

منال نے اُس کو بولنے سے روکا۔

"چپ کر جاؤ۔ تم۔۔۔ تم سے کیسے دور کر دوں میں اُسے؟ میں جانتی ہوں میرے علاوہ اگر کوئی ہے جو اُسے ماں کی نظروں سے دیکھ سکتا ہے تو وہ تم ہو۔ جب ہم سب اُسے انسان بنانے کی تگ و دو میں جُت جائیں گے تو اُسے ماں بن کر کون دکھائے گا؟ تم اُسکی

ماں بن جانا۔ تم سی سچی محبت تو کوئی نہیں کر سکتا اور میں نے تم سے کہا تھا نا کہ تم میری بہن ہو، تم شاہ ویر کی آنی ہو، اُس کی ماں ہو۔"

حیام روتے ہوئے اُسکے گلے لگ گئی۔ کوئی تو تھا جس کے لیے وہ ضروری تھی، اہم تھی جس کو اُسکے ہونے یا نہ ہونے سے فرق پڑتا تھا۔ کرن اور مناہل بھی اُن دونوں کے ساتھ چپک گئیں۔ اُن چاروں میں جو رشتہ تھا وہ دل کا رشتہ تھا، خون کے رشتے تو بہت بعد میں آتے تھے۔

❤ جاری ہے ❤

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول،ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل،شاعری،پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین